سلسلہ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۱۹۴

زندہ جاوید کا ماتم

پانچواں ایڈیشن

از

آیت اللہ العظمیٰ

سرکار سید العلماء

الحاج مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

قیمت ——— ۱-۵۰

التجا

اس رسالہ کے اخراجات ہمدرد مشن جناب سید انتظار حسین
صاحب مقیم یو۔ ایس۔ اے۔ نے اپنی والدہ جناب نقیہ بیگم صاحبہ مرحومہ بنت جناب
سید ابوالحسن صاحب مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے دیے ہیں۔ لہذا مومنین سے
فاتحہ پڑھکر بخش دیں۔

تعارف

آیت اللہ العظمیٰ سرکار سید العلماء طاب ثراہ کی وہ معرکۃ الآرا
تقریر جو انھوں نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں احاطہ ممتاز محل لکھنؤ میں فرمائی تھی جسے
امامیہ مشن لکھنؤ نے چار مرتبہ چھپوایا۔ یہ اس کا پانچواں ایڈیشن ہے۔ یہ رسالہ
ختم ہو گیا تھا اور اس کی طلب کے پیش نظر افادیت کا پتہ چلتا ہے۔

امید ہے کہ مومنین اسکو بھی خرید کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں
خرید کر برادران وطن میں مفت تقسیم فرمائینگے۔

خادم ملت
عابد طباطبائی

سکریٹری امامیہ مشن پوسٹ بکس ۲۸
مولانا علی نقی روڈ لکھنو ۔ ۳
انڈیا۔

فروری ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقبال سہیل کا اعتراض مشہور ہے کہ :-

روئیں وہ جو قائل ہوں ممات شہدا کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اس کا تجزیہ کیا جائے تو کیا ہوگا ؟ غور کیجئے کہ یہ ممات اور حیات جو شہدا کے لئے مورد نفی و اثبات ہو سکتی ہے کیا ہے ؟

ظاہر ہے کہ شہدا کی زندگی وہ مادی زندگی نہیں ہے جس لحاظ سے قبل شہادت انھیں زندہ کہا جاتا تھا اور جو ظاہری طور پر اس دار دنیا سے متعلق ہوتی ہے اس لئے کہ شرع اسلامی میں شہدا کی میراث تقسیم ہوتی ہے ان کے اطفال حکم یتیم ہیں اور ان کے ازواج حکم بیوہ میں ہوتے ہیں اگر ان کے لئے موت کا تصور کسی حیثیت سے نہ کیا جائے تو ان کے متروکہ کی تقسیم ان کی اولاد کی یتیمی اور ان کے ازواج کی بیوگی بالکل بے بنیاد ہوگی ۔ ہمارے مذہبی نقطۂ نظر سے شہید اگر امام ہے تو اس کے بعد دوسرا امام برسر اقتدار آجاتا ہے حالانکہ حیات ظاہری میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرا امام حامل منصب نہیں ہوتا ہے بیوہ کے لئے عقد ثانی کی اجازت جس طرح شوہر کی موت کے بعد ہے اسی طرح شہادت کے بعد حالانکہ زندگی میں یہ ممکن نہیں احکام اموات میں صرف غسل و کفن شہید کے لئے نہیں ہے ، نماز میت اور دفن لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بھی تعلق موت کے ساتھ ہے زندگی کے ساتھ نہیں ۔

جب کہ شہدا کی زندگی اس نوعیت کی نہیں ہے تو ماننا پڑیگا کہ یہ زندگی جسے شہدا کیلئے

ثابت کیا گیا ہے ارتقائے روحانیت کا کوئی خاص درجہ ہو اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اولیائے الٰہی میں سے کسی کے لئے بھی، اگرچہ اصطلاحی طور پر شہید نہ ہو، موت نہیں ہے بلکہ جاودانی زندگی ہے جس کے مراتب باعتبار مراتب تقرب الٰہی مختلف ہوں گے، پیغمبر خدا کی متفقہ حدیث میں ہے من مات علی حب آل محمد مات شہیداً۔

بے شک فقہی حیثیت سے احکام شہید یعنی غسل و کفن کا ساقط ہونا معرکۂ جنگ میں شہادت پانے والے کے ساتھ مخصوص ہیں مگر مرتبۂ شہادت کا حصول بقدر ایمان ہر مومن کیلئے ہے، پھر جب ہر مومن بقدر ایمان مردہ نہیں تو انبیاء و مرسلین کا کیا تذکرہ، چنانچہ سوائے نجدی عقیدہ والے وہابیوں کے اور تمام مسلمان حیات پیغمبر خدا کے قائل ہیں، خود حضرت کی حدیث ہے کہ "میری وفات کے بعد مجھ پر اسی طرح سلام کرنا جیسے زندگی میں، کیونکہ تمھارا سلام دونوں حالتوں میں مجھے یکساں طور پر پہونچے گا۔"

بعض علمائے اسلام نے اسی لئے روضۂ رسول کے پاس بلند آواز سے بات کرنے کو منع کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول اس حکم کی تعمیل جس طرح اس وقت تھی اسی طرح اب ہونا چاہئے، اسلئے کہ رسول زندہ ہیں اور ہماری آواز سنتے ہیں۔

اب مذکورۂ بالا شعر کے مضمون پر غور کیجئے وہ کہتا ہے کہ جو زندۂ جاوید ہو اس کا ماتم نہیں کرنا چاہئے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زندگی جاوید جس عمل سے وابستہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماتم کے قابل ان کی موت ہے جو انتہائی بداعمال ہوں اور حسن اعمال رکھنے والوں کا ماتم نہیں کرنا چاہئے۔

اب جبکہ اس شعر سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے تو آئیے اسے قرآن کے سامنے پیش کریں کیونکہ کہنے والا بظاہر مسلمان ہے اور اس لئے جو کہا ہے وہ صرف شاعرانہ انداز میں نہیں ہے جسے تبسم زیر لب کے ساتھ صرف اس کے شاعرانہ کیف کو محسوس کر کے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ

اس نے منطقی انداز میں صغریٰ اور کبریٰ مرتب کر کے ایک نتیجہ نکالا ہے جس سے ایک پوری
قوم کے طرز عمل پر اعتراض مقصود ہے۔

آیت قرآن مجید کی سامنے ہے، اس موقع کی جب فرعون اور اسکا لشکر غرق ہو گیا تو ارشاد ہوا ہے
فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین ؕ
"نہ ان پر آسمان رویا، اور نہ زمین نے گریہ کیا اور نہ انھیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی"
ظاہر ہو کہ یہ کنایہ ہے جس سے ان کی بداعمالی کا اظہار مقصود ہے۔ کنایہ میں کسی حقیقت کے آثار
ولوازم کا تذکرہ کر کے ذہن کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ضد کے لوازم
کو بیان کیا جائے، مثلاً یہ بتانا ہو کہ صبح ہو گئی، تو یہ کہیں گے کہ روشنی ہو گئی، یہ نہیں کہیں گے کہ
اندھیرا ہو گیا جو شام کے لوازم میں سے ہے رات کی شدت دکھانا ہو تو کہیں گے کہ ہاتھ کو ہاتھ
نہیں سجھائی دیتا جو ظلمت کے اظہار میں مبالغہ ہے۔ اب دیکھئے شاعر کا نظریہ یہ تھا کہ رونا اسے نہیں
چاہئے جو خوش اعمال ہو، بلکہ اسے رویا جائے جو بداعمال ہو اسکا مطلب یہ ہے کہ بداعمالی کا نتیجہ ہے،
استحقاق گریہ، خوش اعمالی کا نتیجہ نہیں ہے مگر قرآن بداعمالی کے اظہار میں کہہ رہا ہے۔

فما بکت علیھم السماء والارض — اُن پر آسمان و زمین نے گریہ نہیں کیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی نقطہ نظر سے بداعمالی کا تقاضا یہ ہے کہ اُن پر نہ رویا جائے
اس کے بالمقابل جو حسن عمل رکھنے والے ہوں وہ مستحق گریہ ہوں گے۔ اب جتنا بلند مرتبہ کا انسان ہو
جتنا مرکز فیوض و برکات زیادہ ہو وہ دنیا سے اٹھے تو اس کا اٹھنا گریہ و ماتم کا باعث ہو گا یوں تو
ہو گا آسمان و زمین کی طرف گریہ کی نسبت بطور مجاز عقلی ہو سکتی ہے جیسے واسئل القریۃ یعنی
اہل القریہ، ہماری روزمرہ میں پورا شہر گواہ ہے یعنی اہل شہر اسی طرح آسمان و زمین رو دیتے ہیں۔
یعنی اہل آسمان و زمین، مگر اٹھنے والے کی ہمہ گیر شخصیت کے لحاظ سے کبھی یہ مجاز حقیقت بھی
بن سکتا ہے یعنی مرنے والا جو دنیا سے اٹھا تو واقعی وہ زمین روئی اور آسمان نے گریہ کیا،
پھر اگر زندہ جاوید کو آسمان و زمین گریہ کر سکتے ہیں جن کا کوئی فعل ارادہ باری کے بغیر

نہیں ہوسکتا تو اس کا انسان بھی ماتم کریں تو یہ مرضی الٰہی کے مطابق ہوگا۔

پھر اب یہ دیکھئے کہ شہداء کے زندۂ جاوید ہونے کا علم ہم کو کس کے ذریعہ سے ہوا ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کے ذریعہ سے پھر اس زندگی کے تقاضوں سے ہم زیادہ واقف ہوں گے یا پیغمبر اسلامؐ۔ اب تاریخ اسلام پر نظر ڈالئے، جناب حمزہ ابن عبدالمطلب شہید تھے یا نہیں ؟ یقیناً شہید اور ایسے شہید کہ پیغمبر خدا نے سید الشہداء کا لقب دیا تو پھر زندۂ جاوید ہونے میں کیا شبہ، مگر حمزہؓ کی شہادت کے بعد کیا ہوا، غم کیا گیا یا خوشی، آنسو بہائے گئے یا قہقہے لگائے گئے۔ یاد رکھیئے کہ سنت وہی ہے جس کی نظیر عمل رسول میں ہو، اور بدعت وہ ہے کہ جو عمل رسول کے خلاف ہو، اگر حمزہؓ کی شہادت پر رسول اللہؐ ہنسے ہوتے تو رونا بدعت ہوتا لیکن اگر رسول اللہؐ روئے ہیں تو پھر کسی شہید پر رونا بدعت نہ ہوگا۔ خوشیاں کرنا ہی بدعت قرار پائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب جناب حمزہؓ کی شہادت ہوگئی ہے اور صفیہ خواہر حمزہ بھائی کی خبر سن کر میدان اُحد کی طرف روانہ ہوگئیں اور رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ صفیہ آرہی ہیں، تو پہلے آپ نے حضرت علیؑ بن ابیطالب سے فرمایا کہ جلدی حمزہؓ کی لاش کو چھپائیں تاکہ بہن کی نظر بھائی کے جسد عُریاں پر نہ پڑے، حضرت علیؑ نے جاکر اپنی عبا لاش جناب حمزہؓ پر ڈالی مگر جناب حمزہ قد آور تھے، پاؤں کھلے رہ گئے تو آپ نے گھاس صحرا کی جمع کر کے پیروں کو مخفی کیا اتنی دیر میں صفیہ پہونچ گئیں اور لاش برادر پر گریہ شروع کیا، اس موقع پر یہ نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ صفیہ کو منع فرماتے اور ارشاد کرتے کہ تمہارے بھائی زندۂ جاوید ہیں، زندۂ جاوید کا ماتم کیوں کرتی ہو، بجائے اس فرمانے کے خود آپ صفیہ کے ساتھ رونے میں شریک ہوگئے اور تاریخ کا فقرہ ہے کہ:۔

کلما بکت صفیۃ ونشج کلما نشجت صفیۃ

نشج کے معنی عربی میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جانے کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جتنا جتنا

صفیہ روتی تھیں اتنا اتنا رسولؐ گریہ فرماتے تھے یہانتک کہ جب صفیہ کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی
روتی تھیں تو خود پیغمبرؐ کی بھی یہی حالت تھی، اب بتایئے زندۂ جاوید کا ماتم ہوتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد جب حضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد کی طرف جاتے ہوئے سنا
کہ انصار کے گھروں سے رونے کی صدائیں بلند ہیں، ان عزیزوں کے غم میں جو جنگ اُحد میں شہید
ہوئے تھے تو حضرتؐ نے فرمایا، اما عمی حمزۃ فلا بواکی لہ۔ افسوس میرے چچا حمزہ پر رونے
والیاں کوئی نہیں۔ چونکہ جناب صفیہ اپنے گھر میں اکیلی تھیں، مثل مشہور ہے "اکیلا آدمی روتا
بھلا نہ ہنستا" وہ تھوڑی دیر رو کر چپ ہو گئیں تھیں، حضرتؐ نے یہ کلام حسرت آمیز فرمایا تو
اس کی اطلاع خواتین انصار تک پہونچ گئی، وہ اسے سن کر خانۂ جناب حمزہ میں آگئیں اور حمزہ کا
ماتم برپا ہو گیا، یہ زندۂ جاوید کا ماتم کس نے برپا کرایا، رسول اللہؐ نے، اب کسی مسلمان کو اختیار
ہے کہ وہ اس ماتم کو اچھا سمجھے یا برا؟

جناب جعفر طیارؓ بھی شہید ہوئے، موتہ میں اُن کے دونوں ہاتھ قلم ہوئے، پیغمبر خداؐ نے
منبر پر اپنے خطبہ میں ان کی خبر شہادت مسلمانوں کو سنائی جو خانۂ سیدۂ عالم میں بھی پہونچ گئی
جب حضرتؐ تشریف لائے تو دیکھا فاطمہؑ زہرا رو رہی ہیں، رسولؐ نے انھیں بھی منع نہیں فرمایا کہ
جعفر زندۂ جاوید ہیں، روتی کیوں ہو، بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا۔
علی مثل جعفر فلتبک البواکی جعفر ایسے آدمی پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہئے۔

لیجئے جناب رسول خداؐ نے ایک عام اصول کا اعلان کر دیا۔ اگر کہا ہوتا کہ جعفر پر ضرور رونا چاہئے
تو وہ ایک حکم جزئی ہوتا اسے صرف بحیثیت نظیر پیش کیا جا سکتا تھا، مگر علی مثل جعفر، جعفر ایسے
آدمی پر یہ تو ایک کلی اصول ہے، ایک اصول معیار ہے، اب جعفر ایسے کی لفظ کے ایک معنی یہ
ہو سکتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب اوصاف شخص پر، تب بھی ثابت ہوگا کہ حسن اعمال کا نتیجہ
ہے استحقاق گریہ جو قرآن کی آیت کے بالکل مطابق ہے اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ
جس کو اس طرح موت آئی ہو جیسے جعفر کو آئی، یعنی راہ خدا میں شہید ہوا ہو تب تو صاف

صاف یہ اس اصول کا اعلان ہے کہ زندۂ جاوید ہی کا ماتم کیا جانا چاہیئے، اب کس مسلمان کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کہے ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے، وہ جب یہ کہتا ہے پیغمبر خدا کے ارشاد سے بغاوت کا اعلان کرتا ہے جو اگر سمجھ بوجھ کر ہے تو یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی ہے۔

اپنے مذکورۂ بالا بیان کی روشنی میں اگر ہم ایک شعر کی شکل میں اقبال صاحب کا جواب دینا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں ؎

کیا روئیں گے اُن کو جو ہلاکِ ابدی ہیں — کیوں زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(یعنی) قرآن اور حدیث تو یہی کہہ رہے ہیں کہ زندۂ جاوید کا ماتم کرنا چاہیئے۔

اب اگر کچھ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو وہ ان کا ماتم کریں جنھیں ہلاکت ابدی نصیب ہوئی ہے مگر ان کا ضمیر بھی شاید اس کو پسند نہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ رونا بزدلی کی نشانی ہے میں کہتا ہوں کہ کسی خطرناک معرکہ میں موجود رہ کر خطرے کے احساس سے رونا بزدلی قرار پا سکتا ہے مگر کسی خطرناک جہاد میں عدم شرکت پر رونا عین بہادری کی نشانی ہے۔ یاد رکھیئے کہ کربلا کے مجاہدین زخم کھاتے اور اپنا خون بہاتے ہوئے گریہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہاں تو بریر اور عبدالرحمن آپس میں مذاق کرتے نظر آتے ہیں۔ ہاں تو عباسؑ و علی اکبرؑ کا کیا ذکر شیر خوار علی اصغرؑ تک مسکراتے ہوئے شہید ہوئے تھا۔

ہاں عباسؑ نہیں روئے اور علی اکبرؑ نہیں روئے کیونکہ انھیں خون افشانی کا موقع مل گیا مگر زین العابدینؑ عمر بھر روئے کیونکہ حکمت ربانی نے ان کو اس قربانی میں شہید ہو کر شرکت سے مجبور بنا دیا تھا۔ ہماری بھی اگر قسمت یاوری کرتی کہ اس قربانی میں عملی حیثیت سے شریک ہوتے تو پھر خون افشانی کرتے اشک افشانی نہ کرتے، یہ اشک افشانی تو اس لیے ہے کہ اس سعادت کو حاصل نہ کر سکے۔ اب اگر اس تصور کے ساتھ یہ آنسو بہائے جا رہے ہوں تو ان سے ہمت میں کمزوری پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں آرزو پیدا ہو اور بے چینی سے انتظار کر اب جو نصرت حق کا عملی موقع ہمیں دستیاب ہو سکے اس میں اپنی ممکن اور برمحل قربانی سے دریغ نہ کریں۔